شریعت، طریقت اور اجتماعیت پر مبنی دینی شعور کا نقیب

ماہنامہ
رحیمیہ
لاہور

رحیمیہ کا انگلش ایڈیشن ہماری ویب سائٹ پر پڑھا جا سکتا ہے۔

زیر سرپرستی: حضرت اقدس مولانا
شاہ سعید احمد رائے پوری
دامت برکاتہم العالیہ
مسند نشین سلسلہ عالیہ رحیمیہ رائے پور

اپریل **2012**ء / جمادی الثانیہ **1433**ھ – جلد نمبر **4**، شمارہ نمبر **4** – قیمت فی شمارہ: مبلغ **15** روپے – سالانہ ممبر شپ: مبلغ **180** روپے – تین سالہ ممبر شپ: مبلغ **400** روپے

حضرت اقدس مولانا
ارشادِ گرامی شاہ عبدالقادر رائے پوری قدس سرہ
مسند نشین ثانی خانقاہِ عالیہ رحیمیہ رائے پور

فرمایا کہ: ’’آج کل شخصی حکومتیں ہرگز نہیں چل سکتیں۔ آج کل تو جمہوری اور شورائی حکومتیں ہی چل سکتی ہیں۔ جن میں کچھ لوگوں کا مخالف رہنا عین اصولی بات ہے۔ یہاں (ہندوستان میں) تو بھلا غیر مسلم ہیں۔ حجاز، عراق، شام، ایران وغیرہ میں تو غیر مسلم نہیں ہیں، مگر وہاں کے ’’پاکستانی‘‘ بھی کوئی ترقی نہیں کر رہے۔ حجاز میں تو بھلا مانس (شاہ) ابن سعود اتنا بھی نہیں کر سکتا کہ زراعت کو پھیلا کر ملک کو غذا کی کمی اور احتیاج سے نجات کا سامان کرے۔

ہاں! ہندوستان اگر ایک مرکز پر آزاد ہو جائے تو اپنی آبادی اور وسائل کے لحاظ سے بیس سال میں دنیا کو مات دے سکتا ہے۔ روس کی پندرہ کروڑ کی آبادی کی دنیا تاب نہیں لا سکتی۔ ہندوستان کے چالیس کروڑ میں سے آپ خیال کریں کتنے ذہین لوگ مہیا ہو سکتے ہیں۔ اور اگر اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیے (گئے) تو افغانستان، ایران، عراق، شام، حجاز، نجد، یمن اور شرق اُردن وغیرہ (ممالک) کی طرح بڑی (سامراجی) سلطنتوں کی حرص و آز کا شکار ہوتے رہیں گے۔‘‘

(مجلس 06/ذی الحجہ 1365ھ/ یکم نومبر 1946ء، بروز جمعہ۔ مقام: رائے پور)
(ارشادات حضرت شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ، ص: 102۔ طبع: مکتبہ رشیدیہ، لاہور)

مجلس ادارت
صدرِ مجلس: ڈاکٹر مفتی سعید الرحمٰن
مدیر اعلیٰ: مفتی عبدالخالق آزاد
مدیر: محمد عباس شاد

درسِ قرآن
گھریلو زندگی میں قرآنی تحریک کا تعارف ضروری ہے

درسِ حدیث
سنتِ نبوی ﷺ کی پیروی

اداریہ
سرمایہ دارانہ جمہوریت کا سیاہ چہرہ

خطبہ جمعۃ المبارک
سیرت النبیؐ کے تناظر میں خدا پرستی اور انسان دوستی کے اجتماعی تقاضے

حالاتِ حاضرہ
قومی بے حسی؛ ریاستی ادارے تباہی کے کنارے پر

رفتارِ کار
حضرتِ اقدس رائے پوری کا دورۂ سیالکوٹ و گوجرانوالا

دینی مسائل
دینی حوالے سے آپ کے سوالات کے جوابات

ادارہ رحیمیہ علوم قرآنیہ ٹرسٹ رجسٹرڈ
رحیمیہ ہاؤس، 33/A کوئینز روڈ (شارع فاطمہ جناح) لاہور
092-42-36307714,36369089-www.rahimia.org
Email: info@rahimia.org

کراچی کیمپس
رحیمیہ ہاؤس 9/A، سینٹر پوائنٹ سوسائٹی، بلاک نمبر 21
راشد منہاس روڈ، فیڈرل بی ایریا، کراچی
0092-21-36321616,36320707

راولپنڈی کیمپس
رحیمیہ ہاؤس، N.A-7، سیونتھ روڈ
سیٹلائٹ ٹاؤن، راولپنڈی
0321-5181875,5181929

ملتان کیمپس
رحیمیہ ہاؤس 30/A، سٹریٹ نمبر 2، خان کالونی
چونگی نمبر 7، ایل ایم کیو روڈ، ملتان
0092-61-6212021

سکھر کیمپس
فلیٹ نمبر 111، 1st فلور، رائل اپارٹمنٹ
ریس کورس روڈ، سکھر
0092-71-5615185

درسِ قرآن

تشریح: امامِ انقلاب مولانا عبیداللہ سندھی رحمۃ اللہ علیہ

گھریلو زندگی میں قرآنی تحریک کا تعارف ضروری ہے

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ مِنْ اَزْوَاجِكُمْ وَاَوْلَادِكُمْ عَدُوًّا لَّكُمْ فَاحْذَرُوْهُمْ ۚ وَاِنْ تَعْفُوْا وَتَصْفَحُوْا وَتَغْفِرُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ (14:64)

(اے ایمان والو تمہاری بعض بیویاں اور اولاد تمہارے دشمن ہیں سو ان سے بچتے رہو اور اگر معاف کرو اور درگزر کرو اور بخش دو تو اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔)

اجتماعی مقابلہ نہایت عظیم الشان کام ہے۔ اگر اس کی بنیاد مستحکم نہ ہو تو وہ دیرپا نتائج پیدا نہیں کرسکتا اور نہ اس قسم کا بین الاقوامی پروگرام کامیاب ہوسکتا ہے۔ پس اس فکر پہ سب سے پہلے اپنے گھر میں عمل شروع کرنا ضروری ہے۔ ہر شخص کو خدا نے اپنے گھر کا بادشاہ بنایا ہے کہ وہ اس محدود حکومت میں اپنے بلند نظریے کو کامیاب کرے۔ تمام افراد اس طرح اپنے اپنے گھر میں کام پر لگ جائیں تو یہ پروگرام بہت جلد کامیاب ہوسکتا ہے۔ یہ ہر مومن کا فرض ہے۔

اس آیت میں یہ بتایا گیا ہے کہ اس بلند فکر (Idea) کو جو "یوم الجمع" کی چیز ہے سب سے پہلے گھر میں نافذ کرنا چاہیے۔ چناں چہ فرمایا کہ: "اے مسلمانو! یاد رکھو کہ تمہاری عورتوں اور بچوں میں سے ایک حصہ ایسا ہے جو تمہارا دشمن ہے۔" یعنی تمہاری تحریک کا مخالف ہے۔ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ بیوی بچے انسان کے طبعی دشمن ہیں، یہ غلط ہے۔ مطلب یہ ہے کہ وہ اس تحریک اور اس فکر کے قائل نہیں ہیں۔ جب گھر کے آدمی فکر کے مخالف ہوں تو تحریک کو کامیاب بنانا سخت مشکل ہوتا ہے۔ اس پروگرام کو گھریلو زندگی کے درجے میں منظّم کرنا قرآن عظیم کے اہم مقاصد میں سے ہے۔ چناں چہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ میں اس تحریک کو چلا کر سارے گھروں کو منور کردیا اور اس کامیابی کی بنیاد پر قیصر و کسریٰ سے مقابلہ کر کے کامیابی حاصل کی۔ اسی کامیابی کی بناء پر یہودیوں کو مدینے سے خارج کیا گیا۔ اس شہر میں کوئی گھر ایسا نہیں ہونا چاہیے جس میں یہ پروگرام منظّم نہ ہو چکا ہو۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ساری تعلیم اور صحبت کی برکت مدینۃ النبی میں مستقر ہوگئی۔ جب تک یہ شہر اسلامیت کا مرکز رہا، مسلمانوں کے اندر دین میں فکری اختلاف پیدا ہی نہیں ہوا۔ چناں چہ خلافت راشدہ کے دور میں تو یہ مقدس شہر دینی اور سیاسی دونوں قسم کا مرکز رہا، مگر بنواُمیہ کے دورِ خلافت میں بھی یہ کم سے کم دینی مرکز ضرور رہا۔ ان دونوں زمانوں میں مختلف مذاہب پیدا نہیں ہوئے۔ لیکن جب مدینے کی مرکزیت بغداد میں منتقل ہوگئی تو مختلف مذاہب پیدا ہوگئے۔

فَاحْذَرُوْهُمْ ۚ (ان سے بچو) ان کی دشمنی کو اپنی تحریک پر کامیاب نہ ہونے دو۔ یہ نہیں کہ ان سے لڑائی ٹھان لو۔

وَاِنْ تَعْفُوْا وَتَصْفَحُوْا وَتَغْفِرُوْا (انھیں معاف کرو اور درگزر کرو) اگر وہ تحریک کی مخالفت کریں تو انھیں معاف کردو۔ گویا سنا ہی نہیں کیونکہ اس نرمی کے برتاؤ سے تحریک ان کی سمجھ میں آ گئی تو وہ تمہارے دوست اور دست و بازو بن جائیں گے۔ اگر وہ دوست بن جائیں تو پہلی مخالفت کو بھول جاؤ اور انھیں اس پہلی مخالفت کی سزا مت دو۔

فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ (بلاشبہ اللہ بخشنے والا مہربان ہے) اس سلسلے میں خدا کی شان دیکھو کہ جو لوگ اس تحریک کی مخالفت کرنے کے بعد اس تحریک کے دوست بن جاتے ہیں وہ ان کی پہلی مخالفت کو بخش دیتا ہے اور اب وہ اس تحریک کے سلسلے میں جو کام کرتے ہیں اس کا معاوضہ نہایت فراخ دلی کے ساتھ انھیں دیتا ہے۔

درسِ حدیث

تشریح: حضرت مولانا خواجہ عبدالحئی فاروقی رحمۃ اللہ علیہ

سنّتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی

عن ابی هريرةؓ قال: قال رسول اللّٰه صلّى اللّٰه عليه و سلم: "من تمسّک بسنّتی عند فساد امّتی، فلهٗ اجر مائة شهيدٍ."

(حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ: مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص مضبوط پکڑے میری سنت کو ایسی حالت میں کہ میری امت بگڑ چکی ہو تو اس کے لیے سو شہیدوں کا ثواب ہے۔) (باب الاعتصام بالكتاب و السنة. الفصل الثانی. مشكوٰة المصابيح)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت میں وہ ساری باتیں آ گئیں، جو آپؐ نے لوگوں کے سامنے کیں اور کہا کہ: اس طرح کرو یا کسی کام سے رُکنے کے لیے کہا۔ آپؐ نے پابندی سے نماز پڑھی اور اس کا طریقہ سب کے سامنے خود عمل کر کے رکھ دیا۔ استنجا کرو۔ وضو کرو، پاک صاف بنو۔ قبلے کی طرف منہ کرو۔ نیت باندھو۔ نماز کے لیے پہلے کھڑے ہو۔ پھر رکوع کرو۔ پھر دو سجدے کرو۔ دو رکعت کے بعد بیٹھو۔ زیادہ رکعتیں پڑھنی ہوں تو پھر کھڑے ہو جاؤ۔ نماز ختم کرنی ہو تو سلام پھیرو۔ جماعت میں پانچ وقت حاضر ہو۔ خود نیک کام کرو، بُرے کاموں سے بچو۔ دوسروں کو نیک کام کرنے کا کہو اور بُرائی سے بچاؤ۔ روپیہ ہو تو محتاجوں اور مفلسوں کو بھی اس میں سے دو۔ رمضان کے روزے رکھو۔ استطاعت ہو تو حج کرو۔ قرآن شریف پڑھو۔ ایک دوسرے کی خیر خواہی کرو۔ کسی کو دھوکہ اور دغا فریب نہ دو۔ جو چیزیں تمام لوگوں کے کام کی ہیں، ان کو اپنے پاس دبا کر نہ رکھو۔ صرف اپنی ضرورت کے مطابق اس میں سے لو اور باقی اوروں کے لیے چھوڑ دو۔ معاملات میں انصاف اور نرمی سے کام لو۔ اپنے حق پر زیادہ زور مت دو۔ دوسرے کا حق فوراً ٹھیک ادا کرو۔ جھوٹ مت بولو۔ چغلیاں نہ کھاؤ۔ غیبت نہ کرو۔ گالیاں نہ دو۔ فحش باتوں سے زبان گندی نہ کرو، ورنہ رفتہ رفتہ دل گندا ہو جائے گا۔ بڑوں کی عزت کرو۔ چھوٹوں پر شفقت کرو۔ اللہ کو ہر وقت یاد رکھو۔ اس کا ذکر کرو۔ ہر کام اسی کو سونپ دو۔ خواہ مخواہ کسی سے لڑائی نہ کرو۔ اوروں کے قصور سے درگزر کرو۔ اپنی خطاؤں کا اقرار کرو اور اس کی فوراً تلافی کرو۔ مال، دولت اور عزت میں دوسروں سے بڑھنے کی ہوس مت کرو۔ ہاں نیک کاموں میں سب سے آگے رہنے کی کوشش کرو۔ یتیموں بے کسوں اور غریبوں کی خبر لو۔ حاجت مند کی حاجت روائی کرو۔ امانت میں خیانت مت کرو۔ سخت دل اور بے درد مت بنو۔ یہ طریقہ ہے، جو رسول اللہؐ نے انسان کے لیے اس دنیا میں زندگی بسر کرنے کا مقرر کیا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود یہی کیا ہے۔ اس لیے یہی آپؐ کی سنت ہے۔ اس کو سیکھو۔ اور جاننے والوں سے پوچھو۔ اور اسی پر چلنے کو اپنے اوپر لازم قرار دو۔ اسی کے معلوم کرنے کا نام علم ہے۔

مسلمانوں میں اگر نماز کی طرف سے غفلت ہونے لگے، انھیں دنیا کے جھگڑوں میں پھنسے رہنے کی عادت پڑ گئی ہو، وہ خواہش کے غلام بن گئے ہوں۔ روپیہ جمع کرنے کی علت لگ گئی ہو۔ دوسروں کے پاس چاہے کچھ بھی نہ رہے، مگر ان کو اپنا گھر بھرنے سے کام ہو۔ دھوکے بازی کا بازار گرم ہو۔ فسق و فجور، مضرِ اَخلاق اور مضرِ صحت باتوں کو پسند کیا جاتا ہو۔ رشوت، لوٹ مار، ظلم، اغوا، شہوت زنی عام مشغلے ہو گئے ہوں۔ نیک لوگوں کی برملا توہین کی جاتی ہو۔ ان پر آوازے کسے جاتے ہوں۔ نماز روزہ بالائے طاق رکھ دیے گئے ہوں۔ اور اگر کہیں ہوں بھی تو فقط دکھاوے کے لیے اور رسم و رواج کے طور پر ہوں۔ قرآن شریف سے منہ موڑ لیا گیا ہو۔ ناچ گانے، تماشے دیکھنا، بے کار شغل، وقت کا ضائع کرنا، عام طور پر رائج ہو گئے ہوں تو سمجھ لینا چاہیے کہ امتِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم بگڑ گئی ہے۔ اس حدیث میں آپ فرماتے ہیں کہ ان حالات کے اندر جو میری سنت پر چلے گا اور اس کو مضبوط پکڑے گا، اس کو سو شہیدوں کا ثواب ہو گا اور یہ بہت بڑا اجر ہو گا۔

اداریہ

سرمایہ دارانہ جمہوریت کا سیاہ چہرہ

گزشتہ دنوں ہمارے ملک میں جمہوریت کے نام پر عوامی نمائندوں پر مشتمل ایوانِ بالا ''سینٹ'' کے انتخابات ہوئے۔ نیز ایوانِ زیریں اور صوبائی اسمبلیوں کے لیے ضمنی انتخابات بھی منعقد ہوئے۔ گویا ملک پر حکمرانی کرنے والے اعلیٰ ایوانوں کے نمائندوں کا انتخاب عمل میں لایا گیا۔ اس موقع پر سرمایہ دارانہ جمہوریت کے ایسے مکروہ مناظر سامنے آئے، جن کے سبب پارلیمنٹ کے نام پر بننے والے اداروں کی حیثیت سرمایہ داروں اور جاگیرداروں کے مفادات کی آلہ کارقوتوں کے سوا کچھ باقی نہیں رہی۔ ملک کے اعلیٰ ترین ایوان سینٹ کی رُکنیت حاصل کرنے کے لیے امیدواروں نے کروڑوں کا لین دین کیا ہے۔ اخباری رپورٹس کے مطابق ''سینٹ الیکشن، پاکستانی سیاست میں سب سے بڑا کاروبار بن گیا ہے۔'' ان کے مطابق ''ٹیکسٹائل ملز لگانے پر 50 کروڑ روپے لگتے ہیں، جب کہ سینٹ کی ایک نشست پر 65 کروڑ روپے لگے۔ ایک ایم پی اے کی بولی مبینہ طور پر 5 کروڑ روپے لگی۔'' ایک اور رپورٹ کے مطابق ''سینٹ اسٹاک ایکسچینج میں پولنگ کے روز ریکارڈ سودے بازی ہوئی اور ووٹوں کی خریداری میں کروڑوں روپے خرچ کیے گئے۔ پارلیمنٹ ہاؤس سے پارلیمنٹ لاجز تک مختلف پُراسرار گاڑیوں میں کروڑوں کے سودے ہوئے۔'' ایک وفاقی وزیر کے اعتراف کے مطابق ''20 سے 25 لاکھ میں ایک ووٹ کاسٹ کیا گیا ہے۔'' ان رپورٹس اور اعترافات سے ظاہر ہوتا ہے کہ عوام کے ''منتخب نمائندوں'' کے نام پر بننے والی پارلیمنٹ کی اَخلاقی گراوٹ کا کیا حال ہے اور اس کی قانونی حیثیت کیا ہے۔ سرمایہ دارانہ نظام کے تحت قائم ہونے والی پارلیمنٹ میں خرابی کی یہ تمام صورتیں مضمر ہوتی ہیں۔ ضمنی انتخابات کے موقع پر جاگیرداروں اور سرمایہ داروں کی بدمست طاقت کے مظاہر بھی سامنے آئے۔ ملک و قوم کے غدار اور انگریزوں کے پالتو خاندانوں کے چشم و چراغ پولنگ کے عملے پر تشدد کرتے رہے۔ اور مکروہ سرمایہ دارانہ ذہنیت کے حامل نااہل لوگ دھاندلی اور فریب سے عوامی نمائندے بن کر پارلیمنٹ میں براجمان ہوگئے، جنھیں نہ خوفِ خدا ہے اور نہ ہی خلقِ خدا کی مصیبتوں کا صحیح ادراک ہے۔

کہا جاتا ہے کہ ''جمہوریت'' میں ملک کے جمہور عوام کی نمائندگی کرنے والے منتخب نمائندے ہوتے ہیں، جو عوامی حقوق پورا کرنے کے لیے اپنے اختیارات استعمال کرتے ہیں۔ یہاں حال یہ ہے کہ ان ضمنی انتخابات میں جیتنے والے افراد اپنے اپنے حلقوں کے کل ووٹوں کا اوسطاً 12 فی صد لے کر کامیاب قرار پائے ہیں۔ اس طرح ہر حلقے کی بہت تھوڑی اقلیت نے انھیں اپنا نمائندہ بنایا ہے۔ اس کے باوجود بھی کیا اسے ''جمہوریت'' کہا جاسکتا ہے؟ اگر یہی جمہوریت ہے تو پھر اقلیتی طبقے کی آمریت کس چیز کا نام ہے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ قذافی کے لیبیا میں کوئی رُکن اپنے حلقے کے کل ووٹوں کی اکثریت حاصل کیے بغیر مرکزی کانگریس کا رکن نہیں بن سکتا تھا۔ اس کے باوجود اسے ہمارا میڈیا ''آمریت'' قرار دیتے نہیں تھکتا تھا۔ اور یہاں چند فی صد ووٹ حاصل کرنے والے افراد پر مشتمل اس نام نہاد جمہوریت کے گیت گائے جاتے ہیں۔ سرمایہ داری اور جاگیرداری کی یہ آمریت کس قدر بھیانک ہے کہ جھوٹ کو 'سچ'، دھوکہ دہی اور غداری کو 'وطن دوستی'، سرمائے کی جنگِ زرگری کو 'معاشی عدل' اور سرمایہ دارانہ مفادات پورا کرنے والے حکمرانوں پر مشتمل سیاسی اداروں کی بالادستی کو 'جمہوریت' کا نام دیا جاتا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ ہمارے ملک میں جمہوریت نہیں، بلکہ جمہوریت کے نام پر سرمایہ دارانہ، مراعات یافتہ مقتدر طبقات کی آمریت اور ظلم و ستم کا بدترین نظام قائم ہے۔ اسی کے ساتھ یہاں اسلام کو بھی اپنے مقاصد کے لیے استعمال کیا جاتا ہے اور جمہور کی اجتماعی شناخت ختم کرکے خودساختہ جمہوریت کے نام پر اپنے مفادات پورے کیے جاتے ہیں۔ ان کا نہ اسلام سے تعلق ہے اور نہ ہی جمہوریت سے۔ ہمارے کچھ مفکرین جمہوریت اور اسلام کے تضاد یا اتفاق پر خودساختہ دلائل دیتے رہتے ہیں۔ حال آں کہ غیرملکی سامراجی آقاؤں کے زیرِ تسلط غلام ملکوں میں جمہوریت بھی عیاری ہے اور اسلام کا نعرہ بھی مکاری کے طور پر لگایا جاتا ہے۔ یہاں اسلام بھی برائے فروخت ہے اور جمہوریت فروشی کا کاروبار بھی بڑے عروج پر ہے۔ ملکی سیاسی پارٹیاں انھی سرمایہ داروں اور جاگیرداروں کے ہاتھوں یرغمال ہیں۔ انھیں ''سیاسی پارٹی'' کہنا اس لفظ کی توہین کے سوا کچھ نہیں ہے۔ عام سیاسی پارٹیوں کے لیڈروں کا حال تو بڑا واضح ہے کہ ان کی جماعتیں تو سامراجی مقاصد کے لیے ہی پیدا کی گئی ہیں۔ وہ سامراجی قوتوں کی گود میں بنی، پلی اور بڑھی ہیں، لیکن اسلام کے نام پر سیاست کرنے والی جماعتوں کا حال بھی انھی جیسا ہے۔ جمہوریت کا یہ ناٹک کھیلنے والی اکثر اسلام پسند جماعتیں بھی اس ڈگر پر چل رہی ہیں۔ اسلام کے نام پر ان کی تشکیل و تعمیر میں خرابی کی یہ صورت شروع سے ہی مضمر رہی ہے۔

اس موقع پر ''شیخ الہند'' کا نام لے کر کام کرنے والی جماعتوں کو بھی سوچنا ہوگا کہ سامراج دشمن مقاصد و اَہداف کا مقابلہ کرنے کے لیے علمائے ہند نے جو جمعیت قائم کی تھی، کیا آج ان کے نام پر کام کرنے والی جماعتیں انھی مقاصد و اہداف کے مطابق کام کررہی ہیں۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ نام ''شیخ الہند'' کا استعمال کیا جائے اور جمہوریت کے نام پر اس لتھڑے ہوئے گندے تالاب کا حصہ بن کر سرمایہ دارانہ مفادات کے لیے آلہ کاری کا کردار کیا جائے۔ انھیں اس کا بھی ادراک کرنے کی ضرورت ہے کہ آج سرمایہ دارانہ نظام نے باقی تمام اسلامی عنوانات کو اپنے مقاصد کے لیے استعمال کرکے ردی کی ٹوکری میں پھینک دیا ہے۔ جیسا کہ اس الیکشن میں جماعتِ اسلامی سمیت تمام دیگر اسلام پسند پارلیمنٹ سے باہر کردیے گئے ہیں، اور اب ان چلے ہوئے کارتوسوں میں کوئی کام کرنے کی سکت نہیں۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ اس سرمایہ دارانہ جمہوریت نے اب ''شیخ الہند'' کے نام لیواؤں کو نئے انداز میں استعمال کرنے کا پروگرام بنالیا ہو۔

شیخ الہند مولانا محمود حسن قدس سرہٗ، انگریز سامراج کے خلاف انقلابی جدوجہد کی ایک توانا تحریک کا نام ہے۔ یہ تحریک بنیادی طور پر سرمایہ دارانہ نظام کے خلاف ایک جان دار قومی تحریک تھی۔ اس تحریک کا سامراجی آلہ کار اداروں کے ساتھ قطعاً کوئی تعلق نہیں تھا۔ شیخ الہندؒ کی سرمایہ دارانہ نظام کے مخالف تحریک کو آج سرمایہ دارانہ جمہوریت کے لیے استعمال کرنا بجائے خود ایک بہت بڑا جرم ہے۔ اس جرم کے ارتکاب کی سزا بھی بڑی ہوگی۔ شیخ الہندؒ کے مشن اور پروگرام کے لیے کام کرنا ہے تو لازمی ہے کہ سرمایہ دارانہ جمہوریت سے برأت کا اعلان کیا جائے۔ اور عدمِ تشدد کی اساس پر عوامی تقاضوں کے تناظر میں قومی جمہوری اور انقلابی جدوجہد کو فروغ دیا جائے۔ اس حوالے سے انقلابی پروگرام کے ساتھ آگے بڑھنے کے لیے شعوری کوشش کرنا ہوگی۔ شیخ الہندؒ کے نقطہ نگاہ سے دینی حوالے سے قومی جمہوری بنیادوں پر شعوری جدوجہد ہی ہمارے مسائل کا حل ہے۔ سرمایہ دارانہ جمہوریت کے گندے تالاب سے گلی سڑی مچھلیاں پکڑنے سے عوامی مسائل حل ہونے کی بجائے سرمایہ دارانہ نظام کی مضبوطی کے سوا اور کچھ حاصل نہ ہوگا۔ قومی سطح پر کامیابی کے لیے ضروری ہے کہ سرمایہ دارانہ جمہوریت سے اظہارِ برأت اور شعوری بنیادوں پر قومی جمہوریت کے لیے منظّم جدوجہد کا راستہ اختیار کیا جائے۔

مدیرِ اعلیٰ

خطبہ جمعۃ المبارک

سیرت النبیؐ کے تناظر میں خدا پرستی اور انسان دوستی کے اجتماعی تقاضے

شیخ التفسیر والحدیث حضرت مولانا مفتی عبدالخالق آزاد صاحب

(مؤرخہ 06/ جنوری 2012ء، بمقام ادارہ رحیمیہ علوم قرآنیہ، لاہور) ضبط وتحریر: محمد طفیل

نحمدہٗ ونصلّی علیٰ رسولہ الکریم، امّا بعد: قال اللّٰہ تبارک و تعالیٰ:

''وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ'' (107:21) صدق اللّٰہ مولانا العظیم.

معزز دوستو! مسلمان وہ فرد ہے، جو اپنے آپ کو اللہ اور اس کے رسول کے احکامات کے تابع قرار دیتا ہے۔ اللہ اور اس کے رسول کی تابع داری کا نام ہی ''اسلام'' ہے۔ اسلام، جو امن اور سلامتی کا دین ہے، اس کو اپنی زندگی میں غالب کرنا اور اس دین کی اساسیات کے مطابق اپنے معاشرے کی تشکیل کرنا، مسلمان جماعت کے بنیادی فرائض میں سے ہے۔ دین اسلام کی سچی تعلیمات وہ ہیں، جن کا عملی اظہار پیارے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا۔ نبی اکرمؐ پر وحی الٰہی نازل ہوئی اور انسانیت کی فلاح و بہبود کا ایک عالم گیر نظام آپؐ نے انسانیت کے سامنے رکھا۔ آپ نے اس نظام کو عملی طور پر دنیا میں قائم کیا۔ اس کے لیے عملی جدوجہد اور کوشش کی اور دو بنیادی نتائج انسانی سوسائٹی میں پیدا کیے۔ ایک یہ کہ انسان اپنے دل و دماغ میں انتہائی خشوع و خضوع کے ساتھ اپنے اللہ کے ساتھ سچا تعلق قائم کرے۔ انسان، جو روح اور جسم پر مشتمل مخلوق ہے، اس کی روح کا بنیادی تقاضا خدا تعالیٰ کے ساتھ سچا تعلق قائم کرنا ہے۔ انبیا علیہم السلام کا پہلا بنیادی کام یہ ہے کہ انسانی ارواح، معرفتِ خداوندی حاصل کر کے اللہ کے ساتھ سچا تعلق قائم کریں۔ تمام مخلوق کو اپنے خالق کا پتا چل جائے۔ اس کی معرفت حاصل ہو جائے۔ اس کی عظمت و محبت دل میں رَچ بس جائے۔ نبی اکرمؐ کی ذاتِ گرامی نے، آپ کی توجہات نے، آپ کی جدوجہد اور کوشش نے انسانی دل و دماغ پر کتنا گہرا اثر کیا۔ اس حوالے سے رہتی دنیا تک آپؐ کے اسوۂ حسنہ سے انسانیت رہنمائی لیتی رہے گی۔ قلوب کو اللہ کی طرف جوڑنا، ذہن و فکر کو ذاتِ باری تعالیٰ کے ساتھ وابستہ کرنا ہے۔ رہتی دنیا تک آپؐ کا یہ فیضان آپؐ کے نائبین اور خلفا کے ذریعے سے قیامت تک جاری رہے گا۔ آپؐ کے خلفائے راشدین اور پھر ان کی وساطت سے قیامت تک آنے والے علمائے ربانیین اور اولیاء اللہ دراصل پہلا بنیادی کام یہی کرتے ہیں کہ انسانی روحوں میں، ان کے نفس، قلب اور عقل میں معرفتِ خداوندی کا رسوخ پیدا کرتے ہیں۔ اس حوالے سے ان کی تربیت اور ان میں مہارت پیدا کرتے ہیں۔

خدا پرستی دراصل یہی ہے کہ انسان اپنے خدا کے ساتھ گہرا تعلق قائم کرے۔ خدا کے ساتھ تعلق قائم کرنے کا مطلب کیا ہے؟ یہ سمجھا جانا ضروری ہے۔ یہ بات تو طے شدہ ہے کہ انسان اپنے اس انسانی دائرے اور ڈھانچے میں رہتے ہوئے مکمل طور پر ذاتِ باری تعالیٰ کا ادراک نہیں کر سکتا۔ قرآن نے کہا ہے: ''لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ'' (103:6) (آنکھیں اس ذاتِ باری تعالیٰ کا مشاہدہ نہیں کر سکتیں۔) اللہ پر ایمان لانے اور اللہ سے تعلق قائم کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اس نے اس کائنات کا جو عالم گیر نظام قائم کیا ہے، اس پر اعتماد پیدا کیا جائے۔ اس پر پختہ یقین پیدا کیا جائے۔ یہ کائنات ایک سسٹم کے تحت کام کر رہی ہے۔ یہ محض بخت و اتفاق کے طور پر کام نہیں کر رہی۔ اس کے تمام امور باقاعدہ طے شدہ ہیں۔ یہاں کی تمام اشیا اپنی خصوصیات اور اثرات رکھتی ہیں۔ ان تمام خصوصیات و اثرات کے تناظر میں اس کائنات کا ایک باقاعدہ نظام ہے۔ اللہ تعالیٰ کی جانب سے قائم کردہ کائنات کے اس نظام کے ذریعے تمام کام سرانجام دیے جاتے ہیں۔ اسی کے نتیجے میں ہمیں رزق بھی فراہم کیا جاتا ہے۔ صفاتِ باری تعالیٰ، یعنی اس کی قدرت، اس کی طاقت کے تمام اثرات و نتائج اسی کائنات گیر سسٹم کے ذریعے سے ظاہر ہوتے ہیں۔ اللہ پر اعتماد کا مطلب یہ ہے کہ اس نے کائنات کے لیے جو عالم گیر سسٹم بنایا ہے، اس پر یقین رکھا جائے۔ کوئی کام، کوئی حکم، کوئی قانون اور ضابطہ، کوئی طریقہ اس سسٹم کو بائی پاس کر کے وجود میں نہیں آ سکتا۔ یہ ایمان و یقین پیدا کرنا ایمانیات کا بنیادی نتیجہ ہے۔ تخیلاتی یا تصوراتی طور پر محض رسمی حوالے سے ہم اللہ کے ماننے کا اقرار کر لیں۔ زبان سے محض اللہ اور اس کی توحید کا اعلان بھی کریں، لیکن اللہ کے بنائے ہوئے اس سسٹم اور نظام پر ہمارا یقین نہ ہو، خدا پرستی کا ایسا تصور درست نہیں ہے۔ اسی طریقے سے ہم اللہ پر یقین کا مطلب یہ لیں کہ کائنات میں موجود سسٹم کے بنیادی امور ہماری خواہشات، تمناؤں اور آرزوؤں کی وجہ سے ختم ہو سکتے ہیں، ایسا مطلب بھی درست نہیں ہے۔ قرآنِ مجید میں اللہ نے واضح کر دیا: فَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا ۚ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَحْوِيْلًا (43:35) (تم اللہ کے دستور اور نظام کو بدلتا ہوا نہیں پاؤ گے۔ اور اللہ کے دستور اور نظام کو ٹلتا ہوا نہیں پاؤ گے) اللہ کی سنت، اللہ کا طریقۂ کار، اللہ کا جاری کردہ سسٹم، کبھی تبدیل نہیں ہوتا۔

یہ کائنات اپنی تمام تر وسعتوں کے باوجود ایک محدود دائرہ رکھتی ہے۔ اور جہاں بھی محدودیت پائی جاتی ہے، وہ ایک طریقۂ کار اور سسٹم کا تقاضا کرتی ہے۔ وہاں لامحدود تصورات و خواہشات عمل میں نہیں آ سکتیں۔ اللہ پر ایمان و یقین رکھنے والے لوگ اپنے گرد و پیش میں موجود کائنات گیر سسٹم سے بے گانہ ہو کر اللہ کو ماننے کا تصور رکھیں تو وہ جنونیت یا مجذوبیت تو ہو سکتی ہے، سچی خدا پرستی کے ساتھ اس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ اور نہیں تو کم از کم یہ ضرور ہے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم جس جامع دین کو لائے ہیں، اس کے بنیادی تصورات کے منافی بات ہے۔ یہ مصنوعی اور غلط تصور ہے کہ خدا کو مانا جائے اور خدا کے کائنات گیر سسٹم کی اثر آفرینی اور اس کی پابندی کو تسلیم نہ کیا جائے۔

نبی اکرمؐ کی پہلی بنیادی خصوصیت، جو آپؐ کو دیگر تمام انبیاؑ اور تمام اللہ سے تعلق رکھنے والوں سے ممتاز کرتی ہے، وہ یہ ہے کہ کائنات کے سسٹم پر یقین کے تناظر میں انسانی قلوب میں اللہ کی محبت، ہیبت و جلال پیدا کیا جائے۔ اسی لیے ہر مسلمان سے یہ کہلوایا گیا، ہر نماز کی ہر رکعت میں کہ وہ ''اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ'' کا اعلان کرے۔ یہ حمدِ خداوندی دراصل کائنات گیر سسٹم کو قبول کرنا ہے۔ اُسے ماننا ہے۔ اس کائنات کے جو بنیادی حقائق اللہ نے متعین کر دیے ہیں، انھیں تسلیم کرنا ہے۔ ان کو توڑنا اور بائی پاس کرنا نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آگ میں جلانے کی تاثیر رکھی ہے، تو آگ جلائے گی۔ یہ مطلب نہیں کہ اللہ سے تعلق کے نتیجے میں اب آگ جلانے کا کام چھوڑ دے گی۔ آگ کی اس تاثیر کو تسلیم کرنا، یہ دراصل کائنات کے عالم گیر سسٹم کو تسلیم کرنا ہے۔ آکسیجن کی اپنی ایک خصوصیت ہے۔ وہ خصوصیت ضرور اثر انداز ہوگی۔ نائٹروجن اپنی ایک خصوصیت رکھتی ہے۔ اثرات رکھتی ہے۔ یہ تاثیر کس نے پیدا کی ہے؟ اللہ رب العزت نے۔ پھر ان تمام عناصرِ ارضی کے درمیان جو باہمی روابط و تعلقات رکھے ہیں، اس کا سسٹم بھی اللہ رب العزت نے بنایا۔ ان بنیادی حقائق کو، جو گرد و پیش میں موجود ہیں، ان کو تسلیم کر لینے کا مطلب محض مادے کا ماننا نہیں ہے، بلکہ مادے کے اس سسٹم کو ماننا ہے، جو خداوند تعالیٰ نے اس میں پیدا کیا ہے۔ مادیت کے خودساختہ تصورات کے تحت خدا پرستی کے تصورات پیدا کرنا، جذب اور جنونیت کی کیفیت تو ہو سکتی ہے، کسی کا انفرادی حال ہو سکتا ہے۔

اس کے انفرادی تخیلات ہو سکتے ہیں، لیکن محمدؐ رسول اللہ کی جامع تعلیمات کا یہ حصہ نہیں ہے۔ آپؐ پر ایمان لانے اور اللہ کی وحدانیت کو تسلیم کرنے کا مطلب کائنات میں موجود عالم گیر سسٹم کی اثر آفرینی، اس کے تمام خواص واثرات اور نتائج کو پورے طور پر تسلیم کرنا ہے۔

جب یہ بات طے ہوگئی کہ خدا پرستی کا ایسا وسیع اور ہمہ گیر دائرہ ہمارے گردو پیش میں موجود ہے تو دوسری بنیادی ذمہ داری انسان دوستی کے حوالے سے مسلمان جماعت کی یہ ہے کہ اس عالم گیر سسٹم کے تناظر میں وہ انسانوں کے مابین بھی انسانوں کی فلاح و بہبود کا ایک اجتماعی نظام قائم کرے۔ انفرادی تخیلات وتصورات کے تحت کسی فرد کی محض انفرادی ترقی کی بات درست نہیں، بلکہ ربوبیتِ خداوندی کے تقاضوں کے مطابق کل انسانیت کے مسائل کے حل کرنے کا نظام اپنی سوسائٹی میں غالب کرنے کی جدوجہد اور کوشش کرنا، انسان دوستی ہے۔ انبیا علیہم السلام کی تعلیمات کا دوسرا پہلو انسان دوستی کے حوالے سے ہوتا ہے۔ انسانیت کی فلاح و بہبود کا ہوتا ہے۔ جب انسانی اجتماع کی بات آئے گی تو اجتماعِ انسانی کے بھی کچھ حقائق ہیں، جو تخلیق کائنات کے ساتھ ہی اللہ نے رکھ لیے۔ جیسے آکسیجن کی اپنی ایک خاص تاثیر ہے، آگ اور پانی، مٹی اور ہوا کی خصوصیات وتاثیرات ہیں، ایسے ہی نوعِ انسانی جب کرۂ ارض پر وجود میں آئی ہے تو اس کی بھی تاثیرات اور خواص ہیں۔ ان تاثیرات وخواص میں انسان کا اجتماعیت کے تحت زندگی بسر کرنا، سوسائٹی کی تشکیل کر کے سیاسی، معاشی اور عمرانی حوالے سے زندگی بسر کرنا، اس کی فطرت کا تقاضا ہے۔ انسان کو ''انسان'' اسی لیے کہا جاتا ہے، یہ اُنس ومحبت اور ایک ودسرے کے ساتھ وابستگی کے حوالے سے امن، معاشی خوش حالی کے ساتھ زندگی بسر کرنا چاہتا ہے۔ تنہائی پسندی یا انفرادیت کے تصورات، یہاں نہیں ہوتے۔ وہ فرد، جو سوسائٹی سے کٹ کر علاحدگی اور تنہائی کی زندگی بسر کرتا ہے، وہ مجنون ہے یا پاگل یا مجذوب ہے۔ اس کا عام انسانوں کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے۔ عام انسانیت کسی رنگ، کسی نسل، کسی مذہب اور کسی عقیدے کی، وہ اپنے جیسے انسانوں کے ساتھ مل کر زندگی بسر کرتی ہے۔ اور جب انسان، انسانوں سے مل کر زندگی بسر کرتا ہے تو اجتماع وجود میں آتا ہے۔ سوسائٹی وجود میں آتی ہے۔ سماج کی تشکیل ہوتی ہے۔

انفرادی تخیلات وتصورات کے تحت کسی فرد کی محض انفرادی ترقی کی بات درست نہیں، بلکہ ربوبیت خداوندی کے تقاضوں کے مطابق کل انسانیت کے مسائل کے حل کرنے کا نظام اپنی سوسائٹی میں غالب کرنے کی جدوجہد اور کوشش کرنا، انسان دوستی ہے۔

اب سماج کے بنیادی امور کیا ہیں، انسان دوستی کی بات کا مطلب صرف یہ نہیں ہے کہ انفرادی طور پر انسانوں میں پیسے بکھیر دیے جائیں، صدقہ وخیرات کے نام پر کچھ انفرادی اعمال کر لیے جائیں۔ انسان دوستی کا مطلب، جو حضرت محمد رسول اللہؐ نے متعین کیا ہے، وہ یہ کہ اجتماع کے جتنے مراحل اور درجات ہیں، ہر ایک درجے کے بنیادی لوازمات اور تقاضوں کو پورا کرنے کا باقاعدہ ایک نظام قائم کیا جائے۔ مرد اور عورت کے تعلق سے خاندانی سسٹم وجود میں آئے۔ اس کے تقاضے کیا ہیں؟ خاندانی ادارے کے کون کون سے امور ممکنہ طور پر ہو سکتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان امور کے حل کرنے کا نظام دیا۔ انسان دوستی اور مہر ومحبت کی اساس پر، رحمت اللعالمین ہونے کی حیثیت سے، رحمت وشفقت کے جتنے امور فیملی سسٹم سے تعلق رکھتے ہیں، آپؐ نے ان کے بنیادی اساسی اصول واضح کیے۔ والدین کے یہ حقوق و فرائض ہیں۔ اولاد کے یہ حقوق وفرائض ہیں۔ بیوی کے یہ حقوق وفرائض ہیں۔ خاوند کے یہ حقوق ورائض ہیں۔ گویا کہ انسانی اجتماع کی پہلی بنیادی اکائی، یعنی خاندانی نظام کے بنیادی اساسی امور اور ان کا ایک باقاعدہ نظام نبی اکرمؐ نے متعین کر دیا۔

اجتماعِ انسانی میں سوسائٹی کے افراد کے درمیان معاشی لین دین ہوتا ہے۔ اشیا کا پیداواری عمل، پیدا شدہ دولت اور وسائل کی تقسیم، اس کے تبادلے اور اس کے استعمالات کے امور، یہ معاشی معاملات ہیں۔ یہ معاشی معاملات انسانی سوسائٹی میں کیسے سرانجام دیے جائیں گے، محمد رسول اللہؐ کی رحمت للعالمینی کی حیثیت نے ان امور کی نشان دہی کر دی۔ خریدار کے فرائض اور ذمہ داریاں کیا ہیں؟ بیچنے والے کو اپنی اشیا میں کن کن چیزوں سے خریدار کو آگاہی دینا ضروری ہے۔ اس کے فرائض اور ذمہ داریاں کیا ہیں۔ خرید وفروخت کا بازار کن اصولوں پر قائم ہوگا۔ بیچے جانے والی چیزوں کی خصوصیات کیا ہوں گی۔ اس کے بدلے میں جو قیمت ادا کی جائے گی، اس قیمت کی نوعیت کیا ہونی چاہیے، گویا کہ معاشی سرگرمی کے تمام پہلوؤں کا ایک باقاعدہ ضابطہ، طریقۂ کار اور سسٹم نبی اکرمؐ اور آپؐ کی جماعتِ صحابہؓ نے قائم کیا۔ سیاسی امور کیسے سرانجام پائیں گے، حکمران بننے کی لیاقت وصلاحیت، اس کے اصول کیا ہیں؟ سوسائٹی کا جو معاہدۂ عمرانی وجود میں آ رہا ہے، اس کے تمام فریقوں کے بنیادی فرائض اور ذمہ داریاں کیا ہیں اور ان سے کیسے سے عہدہ برآ ہونا چاہیے۔ عدلیہ کے حقوق اور فرائض کیا ہیں۔ انتظامیہ کی ذمہ داریاں اور طریقۂ کار کیا ہے۔ قانون ساز لوگوں کے بنیادی فرائض اور ذمہ داریاں کیا ہیں۔ انھیں کیسے سوسائٹی میں موجود سماجی لہروں کو سمجھنا اور پرکھنا ہے۔ اور اس کے مطابق انسانی مشکلات کو حل کرنے کے لیے قانون بنانا ہے۔ آپؐ کی تعلیمات نے ان حقائق کی نشان دہی کی ہے۔ نہ صرف نشان دہی، بلکہ اس کا عملی نظام بھی قائم کیا۔ تصورات اور خیالات پیش کرنا تو بڑا آسان ہے۔ اچھا وعظ کہہ دیا بہت خوب صورت بات ہے، لیکن ان اصولوں پر عملی نظام قائم کرنا، باقاعدہ سسٹم بنانا، یہ نبی اکرمؐ اور جماعتِ صحابہؓ کی خصوصیت ہے۔ ایسے ہی اقوامِ عالم کے درمیان باہمی تعلقات کیسے قائم ہوں گے۔ قوموں کے تعلقات، ان کے حقوق وفرائض، ان کے سیاسی، معاشی، سماجی روابط، ان کے بنیادی خطوط کیا ہیں۔ اور ان پر بین الاقوامی نظام کیسے قائم ہوگا۔ اب انسانی اجتماع کے یہ جتنے بھی دائرے ہیں، آپؐ کی رحمت اللعالمینی کے وصف نے ان تمام بنیادی دائروں میں انسانوں کی رہنمائی کی ہے۔ اور ایک بنیادی حقیقت یہ واضح کی کہ جو افکار وتصورات پیش کیے جا رہے ہیں، ان کا عملی نظام بھی سوسائٹی میں موجود ہو۔ یہ خصوصیات نبی اکرمؐ کی ہیں۔ آپؐ سے پہلے بھی بہت سے مصلحین امت گزرے ہیں، انبیا گزرے ہیں، لیکن جو بات رسول اللہؐ کو باقی انبیا اور مصلحین امت سے ممتاز کرتی ہے، وہ ان بنیادی اساسی تصورات کی بنیاد پر بین الاقوامی سطح کا عملی نظام قائم کرنے سے عبارت ہے۔

اب رسول اللہؐ سے تعلق کا دعویٰ ہو اور اجتماعیت کا وہ قانون اور ضابطہ، وہ طریقہ اور سسٹم، جو نبی اکرمؐ نے پیش کیا ہے، وہ ہماری سوسائٹی کا حصہ نہ ہو تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم نے رسالت کا اقرار رسمی طور پر کیا ہے۔ کامل طور پر نہیں۔ مکمل طور پر اسے تسلیم نہیں کیا۔ آپؐ کا بنیادی پیغام خدا پرستی اور انسان دوستی سے عبارت ہے۔ اور دونوں کے طریقۂ کار وضع کر دیے۔ دونوں کے دائرے متعین کر دیے۔ بلکہ اس حقیقت کو واضح کیا کہ جو کائنات گیر سسٹم ذاتِ خداوندی ربوبیت کے تقاضے سے قائم کر رہی ہے، مسلمان جماعت کی ذمہ داری یہ ہے کہ ویسا ہی انسانی حوالے سے کائنات گیر سسٹم کا عکس ان کی سوسائٹی میں ظاہر ہونا چاہیے۔

بقیہ صفحہ 08 پر

قومی بے حِسّی؛ ریاستی ادارے تباہی کے کنارے پر

گزشتہ دس ماہ میں کم از کم چار مرتبہ ہمارے صدر و وزیراعظم کی اپنے چینی ہم منصبوں سے ملاقات ہوئی۔ ہر مرتبہ انھوں نے ہمارے ان لیڈرز کو گھنٹوں معیشت ٹھیک کرنے اور دوسرے ملکوں سے معاملات درست کرنے پر واضح نصیحتیں کیں۔ یہاں تک کہہ دیا کہ: ہماری مثال سامنے ہے، ہم دوست ہیں۔ ہماری مثال زبانی پیش کرنے کے بجائے ذرا سا عمل تو کرو، لیکن ہمالیہ سے اونچی اور بحرِ ہند سے زیادہ گہری دوستی کے دعوے دار، مجال ہے کہ اس کی کوئی عملی شکل پیش کریں۔ ہاں! اس ملک میں ہر شخص، خاص طور پر نااہل لیڈروں اور ناسمجھ اہلِ دانش کی خواہش ہے کہ کوئی جادو ہو جائے اور چین ہماری مدد کو آ پہنچے اور ہماری تمام مشکلات فوراً دور ہو جائیں۔ گویا 62 برس بعد بھی ہم بہ حیثیت قوم ہاتھ پیر ہلانے کو تیار نہیں۔ ''چین کرے یا روس، بس مدد ہو جائے'' کے آسرے پر بیٹھے ہیں اور ''ہم کھاؤ، اُڑاؤ'' کے جس فارمولے پر، خواص سے عوام تک، عمل کر رہے ہیں، اس نے تو ہمیں بالکل ہی بے فکرا کر دیا ہے۔ بہ حیثیت قوم نہ ہمیں کل کی فکر ہے، نہ پروا۔ جیسے ہم سے پہلی نسلوں نے اس فارمولے پر عمل کیا اور آرام سے سوتے رہے۔ ہم بھی اپنے پیش رؤوں کی مثال پر ثابت قدمی سے ڈٹے ہوئے ہیں۔ آپ کسی سے پوچھ لیں کہ جو کچھ ہم کر رہے ہیں، اس کا انجام آنے والی نسلوں پر کیا ہوگا؟ تو اس کا جواب ہوگا: ''کل کس نے دیکھا ہے۔'' حال آں کہ اگر ہم مذہب کے نقطہ نگاہ سے بھی دیکھیں تو ہمیں واضح ہدایت ہے، آج کے عمل پر کل جزا و سزا ملے گی۔ جو کچھ آج ہم بو رہے ہیں، کل ہماری نسل کاٹے گی۔ وہ ہمیں کس نام سے یاد کرے گی؟ کیا ہم نے کبھی اس پر سوچا؟ ہمارے بازار بھرے رہتے ہیں، عید، بقرعید، شادی بیاہ اور ہر تقریب پر شاپنگ لازمی ہے۔ جس نے ہمیں ایک فضول خرچ اور بے جا اِسراف (Spend thrift) کرنے والی قوم بنا دیا ہے۔ بجلی ہمارے پاس نہیں، لیکن ہم بازار رات بارہ بجے سے پہلے بند کرنے کو تیار نہیں۔ اگر ہم غریب ہیں تو پھر یہ شاپنگ کون کرتا ہے؟ اگر مہنگائی نے اتنا پیس دیا ہے کہ کھانے کے لالے پڑے ہوئے ہیں تو یہ ہر تقریب پر جوڑے اور جوتے کیوں خریدے جاتے ہیں؟ شہروں، بلکہ دیہات تک میں نئی سے نئی گاڑی ہر گھر کے آگے کھڑی نظر آئے گی۔ پیٹرول سو روپے لیٹر بھی ہو گیا، تو بھی گاڑی چلے گی۔ سی این جی 77 روپے بھی ہو گئی تو گیس اسٹیشن پر قطاریں اتنی ہی طویل ہوں گی۔ کوئی پوچھے، کیا یہ غریب اور قرض دار قوموں کے طریقے ہیں؟ قومی سالمیت کا یہاں اتنا رونا ہے، ہر سیاسی و مذہبی جماعت اور دانش ور اس پر مرمٹنے کو تیار ہے، لیکن قومی سالمیت و یک جہتی کا سب سے بڑا ذریعہ پوری قوم کی نظروں کے سامنے تباہ ہو رہا ہے۔ سب بحث مباحثے میں لگے ہیں۔ عالمانہ و فاضلانہ تجاویز اور مشورے سامنے ہیں، لیکن ریلوے کی صورتِ حال بد سے بدتر ہوتی جا رہی ہے۔ چاروں صوبوں، آزاد کشمیر، حد تو یہ ہے کہ ایران، افغانستان اور بھارت سے رابطے اور مال و سامان ایک جگہ سے دوسری جگہ پہنچانے کا سب سے وسیع، سستا اور آسان ذریعہ، ریلوے، جس کا پورا بنیادی ڈھانچا ایک پیسا خرچ کیے بغیر موجود ہے، قطعاً آخری دَموں پر ہے۔

پی آئی اے پاکستان کی قومی ائرلائن، پاکستان کا فلیگ کیریئر۔ اب تو یہ کہتے بھی شرم آتی ہے کہ نہ تو یہ اندرونِ ملک اور نہ ہی بیرونِ ملک سفر کا قابلِ اعتماد ذریعہ ہے۔ اب کے تو حد ہو گئی کہ حاجیوں کو پہنچانے کے لیے بھی چھوٹی چھوٹی عرب ریاستوں کے طیارے کرائے پر لینا پڑے۔ ہوابازی کے ایک ماہر کے مطابق قومی ائرلائن کا خسارا ایک کھرب سے زیادہ ہو گیا ہے۔ کیوں نہ ہو، سنگاپور ائرلائن کا ایک مسافر طیارا اُڑانے کے لیے 35 افراد ہیں، جب کہ پی آئی اے کو ویسا ہی طیارا اُڑانے کے لیے 600 افراد کا بوجھ برداشت کرنا پڑتا ہے۔ اس پر ملک کے وزیراعظم صاحب بڑے فخر سے فرماتے ہیں کہ: ''اگر لوگوں کو روزگار دینا گنا ہے تو میں یہ گناہ کرتا رہوں گا۔'' یعنی غیر ضروری اور فاضل افراد کو سفارش، رشوت، پارٹی بازی اور اپنی اپنی یونین کو خوش کرنے کے لیے نوکری دے کر قومی ائرلائن کا کباڑا کرنا ایک قابلِ فخر کارنامہ ہے۔ مینجمنٹ سائنسز کے ماہرین دانتوں میں انگلیاں دے کر ششدر ہیں کہ مینجمنٹ کے تمام اصول اس ملک اور اداروں میں سرِ عام ناکام ہو رہے ہیں، بلکہ فیل کروائے جا رہے ہیں۔ کوئی ان بے عقل لیڈروں کو یہ نہیں بتاتا کہ اگر کم افراد رکھ کر ایک ادارہ کام یاب ہوتا ہے اور اس سے منافع آتا ہے تو دوسرے ادارے کھول کر روزگار کے نئے مواقع پیدا کیے جا سکتے ہیں۔ ضروری نہیں کہ سونے کے انڈے دینے والی مرغی کو ذبح کر کے ایک ہی مرتبہ دو چار انڈے حاصل کر لیے جائیں اور پھر قرض کے لیے ہر ایک کے دَر پر ہاتھ پھیلایا جائے۔

توانائی کے بحران کا تو ذکر ہی کیا! اس کا ایک ہی پہلو دہلا دینے کے لیے کافی ہے، جس کا دباؤ وقتاً فوقتاً سامنے آتا ہے اور لوگ سڑکوں پر ہوتے ہیں۔ آئی پی پیز (IPP's) یعنی خود مختار بجلی سپلائی کرنے والے نجی ادارے، جن کا کہنا ہے کہ ان کا صرف واپڈا پر قرضہ 240 ارب روپے سے زیادہ کا ہے، جب کہ ان کا کل قرض 300 ارب روپے سے تجاوز کر چکا ہے۔ تیل روزانہ کی بنیاد پر بین الاقوامی مارکیٹ سے خریدا جاتا ہے۔ اس کی ادائیگی زرِمبادلہ میں کرنا پڑتی ہے۔ مارکیٹ میں ہمارے زرِمبادلہ کے ذخائر تقریباً 1500 ارب ڈالر ہیں۔ پیداوار اور پروڈکشن ختم ہو رہی ہے کہ ہم ہر مال اپنے دوست ملک، چین سے خریدنے کے عادی ہو چکے ہیں۔ بلب سے جہاز تک وہیں سے آ رہا ہے۔ ہمارے تاجر اور صنعت کار ملائشیا اور دبئ کے بعد اب بنگلادیش کا رُخ کر چکے ہیں۔ ابھی کچھ عرصہ قبل توانائی کے شعبے کو دینے کے لیے ایک ایک پیسا ختم ہو چکا تھا۔ پاور شارٹ فال 7000 میگاواٹ تک جا پہنچا۔ بجلی پیدا کرنے کی صلاحیت تھی، لیکن حاصل کرنے کا پیسا نہیں کہ تیل کی قیمت کہاں سے ادا کریں۔ ساری دنیا سے مخاصمت مول لے رکھی ہے۔ ہر مسئلے پر ''میں نہ مانوں'' کی رٹ لگا رکھی ہے۔ فضول کی انا اور اکڑ سے دنیا کو ناراض کیے جا رہے ہیں۔ اب دنیا ہمیں چھوڑ بیٹھی ہے۔ نہ سیلاب کے لیے امداد ہے، نہ بجلی کے لیے قرضہ۔ خود کچھ کرتے نہیں اور کرتے ہیں تو بنگلادیش و ملائشیا کا رُخ۔ پھر پیسا کہاں سے آئے گا۔ بجلی کیسے پیدا ہوگی، نئے پاور پلانٹ تو دور، آج کے پلانٹ تو چلا لیں......!

ہم اپنی ایٹمی توانائی کے اداروں کی اعلیٰ کارکردگی کا اکثر ذکر کرتے ہیں۔ شاید اس پر کم کم توجہ دی گئی کہ کراچی کا نیوکلیئر پاور پلانٹ سال میں چھ مہینے کسی نہ کسی وجہ سے بند پڑا رہتا ہے۔ کسی کی مجال نہیں کہ اس حساس معاملے پر اُنگلی تک اُٹھائے۔ اسٹیل مل ایک سفید ہاتھی ہے، جس کا بوجھ نہ خود اُس سے اٹھتا ہے، نہ قوم اُٹھانے کے قابل رہ گئی ہے۔ 160 ارب روپے سے زیادہ خسارے میں جانے کے باوجود وہاں افسروں اور کارکنوں کی بھرتی جاری ہے۔ شاید ہی اپنے قیام سے اب تک یہ پوری صلاحیت و کارکردگی کے ساتھ چلی ہو، لیکن ایک بات پورے یقین کے ساتھ کہی جا سکتی ہے کہ یہ ہمیشہ اپنی استعداد سے کم از کم دُگنے ملازم رکھتی ہے۔ یہ مِنی پاکستان کی بہترین مثال ہے، جہاں ہر پارٹی اور بااثر شخصیت، اپنی طاقت، اثر و رسوخ کے بَل پر اپنے آدمی بھرتی کرواتا ہے اور ایسی مراعات دلاتا ہے کہ اس کی آئندہ پشتیں بھی دعائیں دیتی ہیں۔ یہاں کی یونین بھی دیگر بڑے بڑے اداروں کی یونینوں کی طرح اپنے اپنے حصے کی لوٹ مار میں مصروف ہے۔ خدا کا غضب ہے، ادارے مکمل نقصان میں جا رہے ہیں۔ ہر سال اربوں روپے کے خسارے اس میں جمع ہو رہے ہیں، لیکن یہ ''محبّ ِ وطن یونین'' ان سسکتے، دم توڑتے اداروں کی ہڈیوں سے کھال بھی نوچ کر اپنی کام یاب سودے کاری کے جشن مناتی ہے۔ کھربوں روپے کے نقصان میں جانے والے ان اداروں کے

ملازمین کی ''اعلیٰ کارکردگی اور غیر معمولی محنتوں'' پر سال میں بونس پر بونس لٹائے جاتے ہیں۔ تنخواہوں اور مراعات میں پچاس پچاس فی صد اضافوں کے اعلانات کیے جاتے ہیں۔ ایک ماہر بینک کار کے مطابق جب بینک پبلک سیکٹر میں تھے تو نائب قاصد کو آفس کے باہر اسٹول پر بیٹھنے تک کا الاؤنس ملتا تھا۔ گویا یہ بھی اس کا ادارے پر احسان تھا۔ کیا واقعی یہ تمام ادارے، ان کے کارکن اور افسران، قوم کا وہی درد رکھتے ہیں، جس کا ذکر یہ ہر وقت کرتے رہتے ہیں؟ معاشی ماہرین کے مطابق ناکام ہونے والے ادارے، درحقیقت مینجمنٹ کی ناکامی کی وجہ سے اس حال تک پہنچے ہیں۔ اس میں ایک اور بڑی ناکامی یہ ہے کہ مینیجرز اپنے اسٹاف کو اس بات پر فعال کرنے میں ناکام رہے کہ یہ قومی ادارے ہیں، ان کی کارکردگی قوم کی کارکردگی کا بیرومیٹر ہے۔ افسوس کہ نہ ہمیں ان اداروں کا پبلک سیکٹر، یعنی سرکاری تحویل میں رہنا راس آیا، نہ ہی نج کاری کا کوئی فائدہ ہوا۔ 1990ء کے بعد دنیا بھر میں حکومتوں نے فیصلہ کیا ہے کہ تجارت، صنعتی اور یوٹیلیٹی ادارے چلانا حکومت کا کام نہیں۔ وہ صرف ایک ریگولیٹری اتھارٹی کا کام دے گی، یعنی قواعد وضوابط بنا کر ان کی کارکردگی پر نظر رکھے گی، تاکہ یہ عوام کی ضرورت کے مطابق فرائض سرانجام دیں۔ پہلے تو پاکستان نے بھی یہی فیصلہ کیا، کیوں کہ علاقائی اور بین الاقوامی اندازا یہ تھا، لیکن یہاں روز روز فیصلے بدلتے ہیں۔ کوئی ادارہ نجی تحویل میں دینے کی بات کرو تو حساس ادارہ ہو جاتا ہے۔ ایسا سیاسی اور مفادات کا ہنگامہ کھڑا کیا جاتا ہے کہ حساسیت کے نام پر قوت فیصلہ بے کار ہو جاتی ہے۔ اعلیٰ عدالتوں تک کو اس انتظامی معاملے میں ملوث ہونے پر مجبور کر دیا جاتا ہے۔ ملائیشیا کے مہاتیر محمد کی مثال دی جاتی ہے کہ وہ مسلم ملکوں میں اقتصادی ترقی کا رول ماڈل ہیں۔ ذرا ان کے فیصلوں کے انداز دیکھیے کہ وہ نہ صرف معاشی فیصلے کرتے ہیں، بلکہ اس پر ہر حال میں عمل کر کے انجام تک بھی پہنچاتے ہیں۔ یہی مستقل مزاجی اور اداروں کی مضبوطی نے ملائیشیا کا بیڑا پار لگایا، مگر ہماری معاشی کشتی ہر لمحہ اور ہر قدم ڈگمگاتی رہتی ہے۔ ہم ایک قدم آگے جاتے ہیں اور چار قدم پیچھے۔ دنیا اداروں کو چلانے کے نت نئے تجربات کر رہی ہے اور ہم صدیوں پُرانے نظاموں کا احیا کر کے ان کے مرحوم موجدوں کو خراجِ تحسین پیش کر رہے ہیں۔ ایک مثال بلدیاتی اداروں کی ہے، گراس روٹ، یعنی نچلی سطح پر عوامی خدمت میں اس کی کارکردگی کو ساری دنیا میں تسلیم کیا جاتا ہے، بلکہ ہر ملک اپنے حساب سے اس میں نئی نئی جہتیں پیدا کر کے عوامی خدمت کی وہ مثالیں قائم کر رہا ہے، جنھیں روز روز ہمارے ماہرین اپنی تقریروں اور مباحثوں میں مثال کے طور پر پیش کر کے اپنی ''معلومات'' کا سکہ بٹھاتے ہیں، لیکن خود ہم ہیں کہ ایک دوسو سال پُرانے نظاموں کو واپس لانے کے لیے جان کی بازی لگائے دے رہے ہیں۔

ہم اپنے اداروں کے کارکنوں کو فعال کرنے میں ناکام رہے ہیں۔ وہ حکومت کے مال کو لوٹ کا مال سمجھتے ہیں۔ افسران سے عام کارکن تک ہر کوئی رشوت لے رہا ہے تو کوئی جھوٹے اَوور ٹائم کے بل بھرتا ہے۔ دونوں خوش ہیں کہ حکومت کو لوٹ رہے ہیں۔ انھیں کوئی یہ نہیں بتاتا کہ وہ اپنے لوگوں اور خود کو لوٹ رہے ہیں۔ یہ قرضے، جن کا ہم ہر وقت رونا روتے ہیں اور دوسروں کو بھی کوستے ہیں، سب انھی حرکتوں کا نتیجہ ہیں۔ ادارے ڈوبتے ہیں، ان کے کارکنوں کی نااہلی کی وجہ سے، یہ خسارے میں جاتے ہیں تو قرض لے کر انھیں چلانا پڑتا ہے، جو قوم کو ادا کرنے پڑتے ہیں۔ یہ بیرونی قرضے، جن کا ہر وقت واویلا ہے، آج جس پوزیشن پر یہ ادارے ہیں، اگر نہ لیے جائیں تو شام تک بند ہو جائیں گے۔ ان کے لاکھوں ملازمین بے روزگار اور ان کے کروڑوں لواحقین بے آسرا۔ یہ بحران کون نمٹائے گا؟ کیا ایسے ہی کسی قومی انقلاب کا ہمیں انتظار ہے؟ یہ فیصلے کی گھڑی ہے!

(تحریر: منور مرزا۔ بشکریہ جنگ سنڈے میگزین۔ 19/فروری 2012ء)

رفتارِ کار

سعد احمد خان

حضرتِ اقدس رائے پوری کا دورۂ سیالکوٹ و گوجرانوالا

حضرتِ اقدس مولانا شاہ سعید احمد رائے پوری دامت برکاتہم العالیہ مؤرخہ 18/فروری 2012ء کو کافی عرصے کے بعد سیالکوٹ اور گوجرانوالا کے دورے پر تشریف لے گئے۔ سیالکوٹ سے جناب ڈاکٹر شہزاد ظفر حضرتِ اقدس مدظلہٗ کو لینے کے لیے تشریف لائے۔ چناں چہ صبح 10 بجے لاہور سے روانہ ہو کر تقریباً 01 بجے دوپہر سیالکوٹ تشریف آوری ہوئی۔ آپ کے ہمراہ ناظمِ اعلیٰ ادارہ رحیمیہ علومِ قرآنیہ بھی تھے۔ سیالکوٹ کے احباب نے حضرت اقدس دامت برکاتہم العالیہ کا استقبال کیا۔ نمازِ ظہر کے بعد کچھ دیر آرام فرمایا اور عصر کے بعد حضرت اقدس مدظلہ العالی سے احباب نے عمومی استفادہ کیا۔ مغرب کی نماز کے بعد مجلس ذکر منعقد ہوئی، جس میں سیالکوٹ کے متعلقین نے شرکت کی۔ نماز عشا کے بعد ایک سکول میں سیرت النبیؐ کے حوالے سے ایک عمومی سیمینار کا اہتمام کیا گیا تھا۔ جس کی صدارت جناب عرفان احمد نے کی اور سیرت کے موضوع پر ناظمِ اعلیٰ ادارہ رحیمیہ نے خطاب فرمایا۔ اس سیمینار میں سیالکوٹ کے سکولوں اور کالجوں کے طلبا اور تعلیم یافتہ احباب نے بھرپور شرکت کی۔ سیمینار کا اختتام حضرتِ اقدس مدظلہ العالی کی دعا سے ہوا۔ پھر تمام دوستوں نے حضرت سے ملاقات کی۔ اگلے روز صبح سے شام تک سیالکوٹ کے تمام متعلقین اور احباب نے حضرتِ اقدس دامت برکاتہم العالیہ اور جناب مفتی عبدالخالق آزاد کے ساتھ مختلف نشستوں میں شرکت کی، جن میں انھوں نے سوال و جواب کے ذریعے سے دینی حوالے سے شعوری رہنمائی لی۔ مغرب کی نماز کے بعد مجلس ذکر میں بھی احباب نے بھرپور شرکت کی۔ اگلے روز فجر کی نماز کے بعد سیالکوٹ سے گوجرانوالا روانگی ہوئی۔ جناب عامر ندیم کے ہمراہ یہ سفر ہوا۔ گوجرانوالا میں حضرت مولانا محمد اختر رحمانی کے مکان پر قیام فرمایا۔ ظہر کی نماز کے بعد ان کے سکول میں احباب نے استفادہ کیا اور مغرب کے بعد گوجرانوالا کے تمام احباب نے مجلس ذکر میں شرکت کی۔ اگلے روز صبح کو مولانا اختر رحمانی کے مکان پر خواتین کے لیے درسِ قرآن کا اہتمام کیا گیا تھا۔ اس موقع پر ناظمِ اعلیٰ ادارہ رحیمیہ نے درسِ قرآن دیا۔ حضرتِ اقدس دامت برکاتہم العالیہ نے دعا فرمائی اور خواتین کو بیعت فرمایا۔ اس کے بعد حضرت مولانا زاہد الراشدی صاحب اور جناب عمر عثمان ہاشمی حضرتِ اقدس مدظلہٗ سے ملاقات کے لیے تشریف لائے۔ اس موقع پر انھوں نے اپنے ادارے ''الشریعہ اکیڈمی'' میں تشریف آوری کی دعوت دی۔ ظہر کی نماز کے بعد گورنمنٹ ہائی سکول میں عمومی سیمینار ہوا، جس میں گوجرانوالا کی تقریباً تمام یونیورسٹیوں اور تعلیمی اداروں سے آنے والے نوجوانوں نے بھرپور شرکت کی۔ اس سیمینار میں ''پاکستان میں عدمِ استحکام کے اسباب'' کے عنوان پر ناظمِ اعلیٰ ادارہ رحیمیہ نے خطاب کیا اور حضرتِ اقدس دامت برکاتہم العالیہ کی دعا سے یہ سیمینار اختتام پذیر ہوا۔ اس کے بعد حضرتِ اقدس دامت برکاتہم العالیہ جناب زاہد جاوید اسد ایڈووکیٹ کی دعوت پر اُن کے مکان پر تشریف لے گئے۔ اس روز بعد نمازِ مغرب مجلس ذکر ان کے مکان پر ہوئی، جس میں بڑی تعداد میں سلسلے سے وابستہ احباب نے شرکت کی۔ رات کا قیام انھی کے مکان پر رہا۔ اگلے روز صبح جناب عمر عثمان ہاشمی صاحب ''الشریعہ اکیڈمی'' لیجانے کے لیے تشریف لائے۔ چناں چہ ان کے ہمراہ اکیڈمی جانا ہوا، جہاں حضرت مولانا زاہد الراشدی صاحب اور ان کے عملے نے حضرتِ اقدس مدظلہٗ العالی کا گرم جوشی سے استقبال کیا۔ انھوں نے اکیڈمی دکھائی اور پھر لائبریری میں ایک مختصر سی نشست

Monthly RAHIMIA Lahore LRL 466 CPL No. 59

کا اہتمام کیا۔ اس موقع پر انھوں نے ناظمِ اعلیٰ ادارہ رحیمیہ کو گفتگو کرنے کے لیے کہا۔ چناں چہ انھوں نے ''دورِ حاضر میں عصری تقاضوں کے تناظر میں دینی غلبے کی جدوجہد کی اہمیت'' پر گفتگو کی۔ اور حضرت امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ سے لے کر امامِ انقلاب حضرت مولانا عبیداللہ سندھیؒ تک اکابرین اولیاء اللہ کے نقطۂ نگاہ سے دینی غلبے کی جدوجہد اور اہمیت کو واضح کیا۔ مولانا زاہدالراشدی صاحب نے اس گفتگو کو سراہا اور پھر اپنی لائبریری اور اپنے علمی اور فکری کام سے متعلق کچھ گفتگو کی۔ آخر میں حضرتِ اقدس مدظلہ العالی نے دعا فرمائی۔ اسی روز ظہر کی نماز کے بعد جناب حافظ محمد عتیق کی شادی کی تقریب میں حضرتِ اقدس مدظلہ نے شرکت فرمائی اور ان کا نکاح پڑھایا۔ کھانے سے فراغت کے بعد واپس لاہور تشریف آوری ہوئی۔

بقیہ خطبہ جمعۃ المبارک

جیسے خدا تعالیٰ بلاتفریق رنگ، نسل، مذہب تمام کے لیے رزق کی فراہمی کا بندوبست کرتا ہے۔ اسی طرح مسلمان معاشرے کا معاشی سسٹم بھی انھیں اصولوں پر قائم ہوگا۔ وہ بلاتفریق رنگ، نسل، مذہب تمام انسانوں کی معاشی ضروریات کی تکمیل کا نظام ہوگا۔ ربوبیت کے تقاضے سے اگر ذاتِ خداوندی کائنات میں تمام انسانوں کو زندگی بسر کرنے، سانس لینے، اس کرۂ ارض پر اپنی بقا کے مواقع فراہم کرتا ہے، تو جو دینِ اسلام کی تعلیمات کے تناظر میں سوسائٹی کا سیاسی نظام قائم ہوگا، وہ بھی اسی طرح بلاتفریق رنگ، نسل، مذہب انسانی بنیادوں پر انسانوں کو امن فراہم کرنے کا ذمہ دار ہوگا۔ خداپرستی کے اثرات سوسائٹی کی اجتماعیت کی شکل میں ظاہر ہونے چاہئیں۔ سوسائٹی کے اجتماعی تقاضوں کے تناظر میں وجود میں آنے چاہئیں۔ اگر خداپرستی کا یہ اثر انسانی اجتماع میں پایا جاتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ خداپرستی کا تصور درست ہے۔ ورنہ تو ہم نے کسی کا دل چیر کے تو نہیں دیکھا کہ اس میں خدا ہے یا نہیں ہے۔ اس کا عملی اظہار تو انسان دوستی کے تناظر میں ظاہر ہوگا۔ اس کے اَخلاق اور رویوں سے ظاہر ہوگا۔ اس کے قائم کیے ہوئے نظام، تسلیم کیے ہوئے سسٹم کے تناظر میں متعین ہوگا۔ اگر کوئی مسلمان معاشرہ رسول اللہؐ کے بتلائے ہوئے طریقوں کے مطابق اپنی سوسائٹی کا سسٹم نہیں قائم کرتا تو کیسا ایمان ہے؟ کیسا رسالت کا اقرار ہے؟ رسول اللہؐ کی تعلیمات سے متصادم سوسائٹی کا معاشی نظام ہو، انتظامی ڈھانچہ ہو، سیاسی نظام ہو، سماجی نظام ہو، تو یہ اسلام محض رسمی ہے۔ دین اسلام کی تعلیمات اپنے افکار وخیالات، اپنے قوانین وضابطے، اپنے اقدار اور اَخلاق کا عملی نظام قائم کرنے کا تقاضا کرتی ہیں۔ اور سچا مسلمان وہی ہے، جو رسول اللہؐ کے بیان کردہ نظام، آپؐ کے قائم کردہ طریقۂ کار کو اپنی سوسائٹی میں غالب کرنے کی جدوجہد اور کوشش کرے۔ اور ہر اس نظام کی مزاحمت کرے، جو رسول اللہؐ کے قائم کردہ سسٹم کے منافی ہو۔ اسی سے دنیا کی کامیابی بھی ہے اور آخرت کی کامیابی بھی۔ اللہ تعالیٰ ہمیں عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

دینی مسائل

اس صفحے پر قارئین کے سوالات کے جوابات دیے جاتے ہیں!

از جناب مفتی عبدالغنی قاسمی شعبہ دارالافتاء ادارہ رحیمیہ علومِ قرآنیہ (ٹرسٹ) لاہور

براہِ راست سوالات پوچھنے کے لیے رابطہ کریں: 0321-4431184

سوال (1): زید کی شادی ناصرہ سے ہوئی، جس سے اس کا ایک بیٹا پیدا ہوا۔ اس کے بعد زید کا انتقال ہوگیا اور اس کی وراثت اس کے بیٹے اور بیوہ ناصرہ وغیرہ میں تقسیم ہوگئی۔ عدت کے بعد ناصرہ نے بکر سے شادی کرلی۔ اس سے بھی ایک بیٹا پیدا ہوا، جس کے بعد ناصرہ کا انتقال ہوگیا۔ ناصرہ کی وراثت صرف وہی جائیداد ہے، جو اس کو پہلے شوہر زید کی وراثت میں ملی تھی تو اس جائیداد میں ناصرہ کے دونوں بیٹے وارث ہوں گے یا صرف پہلے شوہر زید کا بیٹا؟

جواب: ناصرہ کو اپنے پہلے شوہر زید کی طرف سے جو حصۂ وراثت ملا، شرعی طور پر وہ اس کی مکمل مالک بن گئی۔ اس حصۂ وراثت اور اس کے دیگر املاک میں کوئی فرق نہیں۔ چناں چہ ناصرہ کی وفات کے بعد اس کی تمام اَملاک اُس کے شرعی ورثا میں تقسیم ہوگی۔ اور ناصرہ کے دونوں بیٹے اپنی والدہ کی میراث میں بغیر کسی کمی بیشی کے یکساں طور پر شریک ہوں گے۔

سوال (2): ایک مسافر امام عشا کی نماز پڑھا رہے تھے اور ایک مسافر مقتدی، امام صاحب کو مقیم سمجھتے ہوئے چار رکعت کی نیت باندھ کر امام کے ساتھ جماعت میں شامل ہوگیا۔ امام نے سفری نماز مکمل کرتے ہوئے دو رکعت پر سلام پھیر دیا۔ ان کے ساتھ ہی چار رکعت کی نیت سے شامل ہونے والے مسافر نے بھی دو رکعت پر سلام پھیر دیا۔ تو کیا یہ نماز درست ہوئی یا نہیں؟ انیس احمد سجاد، لاہور

جواب: مسافر امام کو مقیم سمجھ کر جماعت میں شامل ہونے والا مسافر مقتدی، امام کے ساتھ دو رکعت پر سلام پھیر دے اور نماز اس کی درست ہے۔

سوال (3): عابدہ بیگم اور زاہدہ بیگم دونوں بہنیں ہیں۔ خالد کا نکاح زاہدہ بیگم سے ہوا۔ خالد اپنی بیوی زاہدہ بیگم کی موجودگی میں دوسری شادی اپنی سالی عابدہ بیگم کی بیٹی سے کرنا چاہتا ہے۔ کیا یہ نکاح شرعاً درست ہے یا نہیں؟ احمد جواد ہمدانی قصور

جواب: عابدہ بیگم کی بیٹی خالد کی بیوی کی بھانجی ہے۔ اس لیے خالد کی پہلی بیوی کی موجودگی میں اس کی بھانجی سے نکاح کرنا درست نہیں۔

سوال (4): ایک شخص نصابِ زکوٰۃ کا مالک ہے، لیکن اس پر مختلف نوعیت کے واجب الادا قرض بھی ہیں، جن میں سے ایک قرض زوجہ کا مہر بھی ہے۔ تو کیا زکوٰۃ کی ادائیگی کے وقت قرض منہا کیے جائیں یا نہیں؟ محمد ابراہیم اورکزئی ایجنسی

جواب: زکوٰۃ کے حساب کے وقت ایسے قرض، جو زکوٰۃ دینے والے نے لوگوں کو ادا کرنے ہیں، منہا کیے جائیں گے۔ البتہ مہر مؤجل جو زوجہ کا حق ہے، منہا نہیں کیا جائے گا۔

مجلس مشاورت

- حضرت مولانا مفتی عبدالمتین نعمانی (بورے والا)
- حضرت مولانا مفتی عبدالقدیر (چشتیاں)
- حضرت مولانا مفتی عبدالغنی قاسمی (لاہور)
- حضرت مولانا مفتی محمد مختار حسن (نوشہرہ)
- حضرت مولانا عبدالقادر دین پوری (بہاولنگر)
- حضرت مولانا رشید احمد (ڈیرہ اسماعیل خان)
- محترم سید مطلوب علی زیدی (لاہور)
- حضرت مولانا مفتی محمد اشرف عاطف (سعودی عرب)
- محترم ڈاکٹر لیاقت علی شاہ معصومی (سکھر)
- محترم حاجی محمد بلال بلوچ (قاضی احمد)
- محترم ڈاکٹر عبدالرحمٰن راؤ (سرگودھا)
- محترم انجینئر آفتاب احمد عباسی (کراچی)
- محترم سید خالد ریاض بخاری (واہ کینٹ)
- حضرت مولانا عبداللہ عابد سندھی (شکارپور)
- حضرت مولانا ڈاکٹر تاج افسر (اسلام آباد)
- حضرت مولانا محمد ناصر عبدالعزیز (جھنگ)
- حضرت مولانا قاضی محمد یوسف (حسن ابدال)
- محترم قاری محمد ایاز جدون (مانسہرہ)

پرچہ ہر ماہ کی 3 اور 4 تاریخ کو ارسال کردیا جاتا ہے۔
ممبرشپ کی رقومات کی ترسیل بنام
''رحیمیہ لاہور'' میزان بینک قرطبہ چوک برانچ لاہور
اکاؤنٹ نمبر: 0219-0100328009 پر کریں!

مدیرِ اعلیٰ مفتی عبدالخالق آزاد طابع وناشر نے
اے۔ جے پرنٹرز 28/A نسبت روڈ، لاہور سے چھپوا کر
دفتر ماہنامہ ''رحیمیہ'' رحیمیہ ہاؤس
33/A کوئینز روڈ، لاہور سے جاری کیا۔